فارسی شاعری میں لطافت وظرافت

خان محمد عاطف ملیح آبادی دانشگاہ تہران

لطافت وظرافت، حاضر جوابی اور بذلہ سنجی ایک ہی تصویر کے مختلف رخ ہیں۔ اس سے قوموں کے ادبی ذوق اور خوش مزاجی کا پتہ چلتا ہے۔ بذلہ سنجی اور لطافت وظرافت کے ذریعہ ہی کسی قوم کی ذہنیت کو پہچانا جاسکتا ہے۔ جواب چبھتا ہوا ہونا چاہیے۔ ذرا سا بھونڈا پن پورے مضمون کو حدودِ ادب سے خارج اور سامع کی طبیعت کو مکدر کر دیتا ہے اور ذہنِ انسانی ایک بوجھ سا محسوس کرنے لگتا ہے۔ دنیا کے تمام بڑے لوگ حاضر جواب، پرمذاق اور نکتہ رس ہوئے ہیں۔ یہی وہ حضرات ہیں جو دنیائے ادب کو بقائے دوام عطا کرتے ہیں۔ عربی و فارسی ادب میں حاضر جوابی، لطافت وظرافت اور بذلہ سنجی کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ اہلِ فارس کے استاد عرب ہیں۔ عربوں نے اس میدان میں بہت زیادہ ترقی کی اور اس فن کو معراجِ کمال تک پہنچایا۔ شاگردوں نے اساتذہ کی روایات کو قائم رکھتے ہوئے اس میدان میں ترقی کی راہیں طے کیں۔

لطافت وظرافت آزادانہ فضا اور ماحول کی دین ہے۔ آزاد اور باذوق درباری ماحول میں ہی ظرافت اور بذلہ سنجی پروان چڑھتی ہے۔ جابرانہ اور استبدادی نظامِ حکومت ذہنوں کو کند اور تنگی عطا کرتا ہے، ساتھ ہی انسان رواداری کے اعلیٰ جذبہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور وسیع النظری پیدا نہیں ہو سکتی۔ وسیع النظری کا پہلا زینہ رواداری کا جذبہ ہے اور رواداری کے بغیر وسیع النظری کا تصور ہی باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔

فارسی ادب کا زریں عہد ہندوستان (برصغیر) میں سلطنت اسلامیہ کا قیام اور

مغل بادشاہوں کی قدردانی اور علم پروری کا مرہون منت ہے یہی وہ عہد ہے جب ہمیں فارسی زبان و ادب میں اعلیٰ پایہ کا مذاق، بذلہ سنجی، حاضر جوابی اور لطافت و ظرافت کے لطیف و نازک اشارے ملتے ہیں جو ذوق سلیم کے عین مطابق، باذوق، اور رسا طبیعتوں کے لیے لذت کا سامان فراہم کر کے کبھی مسکرانے اور کبھی قہقہہ لگانے کا موقع عطا کرتے ہیں میدان ظرافت میں فارسی ادب کو ایک خاص مقام حاصل ہے یہ دوسری بات ہے کہ اس ادب میں تنوع اور وسعت خیال کی کمی ہے لیکن منظوم لطیفہ گوئی اور حاضر جوابی میں فارسی ادب دنیا کے کسی ادب سے پیچھے نہیں ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ظرافت و لطافت کو صنف شاعری میں پیش کیا گیا ہے۔ ایک تو حاضر جوابی اور لطافت دوسرے قالب شعری! اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل فارس کے مزاجوں میں شاعری اور مزاح رچ بس گئے تھے اور ان کے ذہن طبع رسا اور مزاج موزوں کا تقاضا یہی تھا کہ ہر بات کو شعر کے قالب میں ڈھال کر اس کو بقائے دوام عطا کر دیں۔

اچھے اور ستھرے مزاحیہ ادب کے لیے ضروری ہے کہ اس معاشرہ میں آزادیٔ خیال کے ساتھ ہی ساتھ، احساس کا شدید جذبہ موجود ہو۔ لیکن یہ جذبہ حدودِ اعتدال کو نہ پار کرلے۔ وسعتِ نظر تنگ نظری کے پردوں میں گم نہ ہوجائے۔ اس لیے کہ وسیع النظری کے بغیر خوش طبعی کا تصور ناممکن ہوجاتا ہے اور آزادی کے بغیر یہ جوہر نمایاں نہیں ہوتا۔ مزاح کے لیے ایک آزاد معاشرہ اور فلاحی ریاست کی تشکیل ضروری ہے۔ اس کے بغیر معیاری مزاح پیدا نہیں ہوسکتا۔ طنز و مزاح اور لطافت وظرافت کے درمیان فرق پیدا کرنا مشکل امر ہے طنز ہی دراصل مزاح ہے اور لطافت وظرافت اس تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ یہ بات مزاح نگار پر تکیہ کرتی ہے۔ یا اس کی نازک طبعی پر منحصر ہے کہ وہ تلوار کی طرح کام کرے یا کند و زنگ آلود چاقو کی طرح تڑپائے۔ ذرا سا بھونڈا پن یا پھوہڑ پن مزاح کو حدِ ادب سے گزار کر ابتذال کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔ قومی آزادی کی پختگی کے ساتھ ہی ساتھ اعتدال و وسعت نظر قوموں میں پیدا ہوجاتی ہے جن کو کئی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ وقت

کے ساتھ ساتھ قومی آزادی کی بنیادیں مضبوط ہوجاتی ہیں جوں جوں معاشرہ میں امن وسکون کی فضا پیدا ہوتی جاتی ہے اور عوام کو سماجی سکون وتحفظ اور افلاس گندم وخوف ودہشت سے نجات ملتی جاتی ہے۔ طنز ومزاح میں بلندگیٔ افکار اور اعتدال پیدا ہوتا جاتا ہے اور اس سے ہر طبقہ کو لطف اندوز ہونے کا موقع ملتا ہے۔

مزاح اور جذباتِ لطیف کا اظہار اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب با اقتدار اور حکمراں طبقہ اور درباری ماحول اعتدال پسند رہا ہو۔ اگر حاکم سخت گیر، جابر اور آمرانہ ذہن کا مالک ہو اور وہ دوسرے کی بات سننے پر گرانی محسوس کرتا ہو یا لوگوں کو اس کی ہیبت سے زبان ہلانے کی جرأت نہ ہو تو ظاہر ہے کہ خوش مزاجی کا ماحول پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور حاضر جوابی کا گلا گھٹ کر رہ جائے گا۔ لیکن اگر بادشاہ اور امراء خود باذوق اور شوخ طبع ہوں اور خوش مزاجی اور شوخیٔ طبع کو پسند کرتے ہوں تو درباری ماحول حاضر جوابی، مزاح ولطیف ونازک جذبات وخیالات کا مرکز بن جاتا ہے۔ بلندیٔ افکار اور بذلہ سنجی پورے ماحول پر چھا جاتی ہے۔ ہر بات میں نکتہ اور ہر نکتہ میں کام کی بات نکل آتی ہے۔

عرب فطرتاً جری، بہادر اور نڈر تھے۔ اس لیے حاضر جواب بھی تھے۔ حاضر جوابی اور بذلہ سنجی میں عربوں کا مرتبہ انتہائی بلند رہا ہے۔ اہلِ فارس عربوں کے شاگرد تھے، اسلامی نظریات اور آزادیٔ خیال ان کو ورثہ میں ملے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فارسی ادب لطائف ونازک خیالی حاضر جوابی اور بذلہ سنجی میں دنیا کے دوسرے ادبیات سے بہت آگے ہے۔

شاہی درباروں، بادشاہوں اور امرائے سخت گیر کی موجودگی میں ایک شاعر وادیب ایسے چبھتے ہوئے اشعار وفقرات چست کرتا کہ وہ اس سے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

سلطان محمود سبکتگین کے زمانہ میں صوبہ قبا پر یغوبن طوغان حکمراں تھا اس کی موت کے بعد اس کی سلطنت اس کے پانچ بیٹوں کے حصہ میں آئی محمود معاملات حکمرانی

میں انتہائی سخت گیر تھا۔ اس نے جب سمرقند اور ٹرانسکینیا فتح کر لیا تو حکم دیا کہ پانچوں بھائیوں کو باجگذاری پر مجبور کیا جائے۔ انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مندرجہ ذیل اشعار جواب میں لکھ بھیجے ؎

ما پنج برادر از قبائیم — دریا دل و آفتاب زائیم
ما ملک زمیں ہمہ گرفتیم — اکنون بتفکر سمائیم
گر چرخ بکام ما نگردد — چنبر ز ہمش فرو کشائیم

ترجمہ:۔ ہم پانچوں بھائی اہل قبا۔ دریا دل ہیں اور آفتاب کی طرح روشن ہیں۔
ہم نے تمام زمین کی سلطنت حاصل کر لی ہے اور اب آسمان کی فکر میں ہیں۔
اگر آسمان بھی ہماری موافقت نہ کرے تو اس کو بھی کھینچ کر گردن کے بل گراوینگے۔

ان کو سزا دینے کے لیے بادشاہ نے ایک لشکر روانہ کیا اور درباری شاعر انصاری سے خط لکھنے کو کہا۔ جسے انصاری نے اس طرح شروع کیا ؎

نمرود بہ عہد پور آذر — می گفت خدای خلق مائیم
جبار ببنیم پشہ او را — خوش داد سزا و ما گوائیم

ترجمہ:۔ نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں تھا اور کہتا تھا کہ میں خالق مخلوق ہوں لیکن ایک مچھر اس پر غالب آیا۔ اس کو کیسی اچھی سزا ملی ہم اس کے شاہد ہیں۔

اب ان کو ہوش آیا اور مندرجہ اشعار روانہ کیے ؎

ما پنج برادر از قبائیم — در قحط دنیا ز مبتلائیم
شاہا تو عزیز مصر جودی — ما اخوان گناہگار مائیم
ما را لعفا عیب است فرجات — شرمندہ حضرت شمائیم
بہ عالی تدبیر با بخشائی — از فضل و کرم گدای مائیم

ترجمہ:۔ ہم پانچوں بھائی اہل قبا قحط اور پریشانی میں مبتلا ہیں۔ اے شاہ تو عزیز مصر ہے یعنی یوسف علیہ السلام! ہم تیرے گنہگار بھائی کرم کے طالب ہیں۔ ہمارے پاس تھوڑی سی پونجی ہے۔ ہم آپ سے شرمندہ ہیں۔ ہماری حالت اچھی نہیں ہے ہم بے نواؤں پر فضل و بخشش کر۔

یہ جواب سن کر بادشاہ مسکرایا اور ان کو باجگذاری سے معاف کر دیا۔ ان اشعار میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کر کے خاص قسم کی لذت پیدا کر دی ہے جس کو سن کر آدمی بے اختیار مسکرا دے پہلے جواب میں دون کی ہانکنے کے بعد عجز و انکساری کو ایک لطیف پیرائے میں بیان کرنا لطافت و نزاکت کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ اس پر بادشاہ کا مسکرا کر انھیں معاف کر دینا یہ بتاتا ہے کہ اس طرح کا ماحول پیدا کرنے میں خود شاہان وقت کس قدر دلچسپی لیتے تھے۔ وہ عفو و درگزر سے کام لے کر دوسروں کو موقع دیتے تھے تاکہ لوگوں کی ذہنی صلاحیتیں آزاد فضا اور آزاد ماحول پا کر وسعتِ خیال کا روپ دھار سکیں۔

عبداللہ خان ازبک رستم کے مقبرہ کے پاس سے نکلا اور یہ شعر پڑھا ؎

سر از خاک بردار و ایراں ببیں　　بکامِ دلیرانِ توراں زمین

ترجمہ: خاک سے سر اٹھا اور ایران کو دیکھ جو دلیرانِ توران کے قبضہ میں آچکا ہے۔

عبداللہ خاں کا وزیر ساتھ تھا اس نے کہا اگر رستم زندہ ہوتا تو میں جانتا ہوں کہ کیا جواب دیتا۔ عبداللہ خاں نے پوچھا کیا جواب دیتا؟

اس نے کہا رستم کا جواب یہ ہوتا ؎

چو بیشہ تہی ماند از نرّہ شیر　　شغالان بیشہ در آیند دلیر

ترجمہ: جب کچھار شیروں سے خالی ہو گیا تو گیدڑ دلیرانہ طور پر چلے آئے۔

شاہی درباروں میں شعر و شاعری کا ایک ماحول پیدا ہو چکا تھا بادشاہوں

کی شاعر نوازی، درباروں میں ذہنی آزادی، اچھی اور بہتر بات کو شعر کے قالب میں فی حال کرفی البدیہہ کہنے پر جس طرح شاہانِ کج کلاہ شاعروں کو نوازتے تھے۔ اس نے ایسی فضا پیدا کرنے میں مدد دی تھی۔ خود شاہوں اور ان کے حرم میں شاعرانہ ہنسی مذاق اور نوک جھونک کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ جہانگیر اور نورجہاں کی ادبی نوک جھونک بہت شہرت رکھتی ہے۔ ایک بار جہانگیر نورجہاں کے ساتھ بالاخانہ پر کھڑا تھا۔ نیچے ایک بوڑھا آدمی کمر جھکائے جارہا تھا۔ جہانگیر نے اس کو دیکھ کر کہا ؎

چرا خم گشتہ می گردند پیرانِ جہاں دیدہ

ترجمہ:۔ بوڑھے آدمی کمر جھکائے کیوں گھومتے ہیں۔

نورجہاں نے جواب دیا ع

بہ زیرِ خاک می جویند ایامِ جوانی را

ترجمہ:۔ مٹی میں اپنی کھوئی ہوئی جوانی کو تلاش کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ نورجہاں باغیچہ میں ٹہل رہی تھی اتفاقاً ایک شاعر سے سامنا ہوگیا اسے دیکھتے ہی نورجہاں نے مذاق کے طور پر کہا۔ ع

زمیں ترقید و پیدا شد سرِ خر

ترجمہ:۔ زمین پھٹی اور گدھا ظاہر ہوا

شاعر نے فی البدیہہ کہا۔ ع

شمیدہ بوی مادہ آمدہ نر

ترجمہ:۔ مادہ کی بو پر نر آگیا۔

لیکن ملکۂ نورجہاں نے اس جواب کو بھی برداشت کیا اور کوئی سزا نہ دی۔ اگر شاہی درباروں میں گھٹن کی فضا پیدا ہوجاتی اور شاعروں، ادیبوں اور دوسرے لوگوں کو آزادانہ طور پر اپنی بات کہنے کی اجازت نہ ہوتی تو ادبی نکات ظاہر نہیں ہو سکتے تھے۔

اور شاہی طنز و مزاح کا ماحول پیدا ہو سکتا تھا۔

خاقانی نے منوچہر شیروانی شاہ کو یہ شعر روانہ کیا ؎

وشقی دہ کہ در حرم گیرد یا دسا قی کہ دربرش گیرم

ترجمہ:۔ ایک لونڈی عطا کر کہ وہ میری بغل میں بیٹھے یا حاملہ اونٹنی کہ میں اس کی کوکھ میں بیٹھوں۔

لفظ "یا" نے خاقان کو ناراض کر دیا۔ اس نے سوچا کہ میری سخاوت پر شک کیا ہے۔ شاعر سے کہلا بھیجا کہ سزا کے لیے تیار ہو جاؤ۔ خاقانی نے شاہی قاصد کی موجودگی میں مکھی کی طرف دیکھا اس کی "ٹانگ" اور "پر" کاٹ لیے اور کہلا بھیجا کہ میں نے لفظ "با" لکھا تھا "یا" نہیں لیکن یہ بدبخت مکھی آ گئی روشنائی نم تھی جس کی وجہ سے دو نکتے ہو گئے۔ خاقان اس جواب سے بہت خوش ہوا اور اسے معاف کر دیا۔

شاہوں کا ادبی ذہن و مزاج کچھ اس طرح بن گیا تھا کہ اورنگ زیب جیسا شخص جو شعر و شاعری کو پسند نہیں کرتا تھا بعض اوقات مجبور ہو جاتا تھا کہ شعر و شاعری میں دلچسپی لے ایسی بات نہیں ہے کہ وہ ادبی ذوق کا مالک نہیں تھا یا شعر و سخن سے لگاؤ نہ رکھتا تھا اصل بات یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا وقت ہی نہ تھا کہ وہ شعر و سخن کی محفلیں جماتا اور دادِ سخن دیتا۔ اس کی ساری عمر گھوڑے کی پیٹھ پر گزر گئی۔ اورنگ زیب کے زمانے میں ایران سے ایک مصرعہ بھیجا گیا۔ اورنگ زیب نے شاعروں سے اس پر گرہ لگانے کو کہا لیکن جب کوئی مصرع اسے پسند نہ آیا تو اس نے اپنی بیٹی کو بلا کر اس پر مصرع لگانے کو کہا۔

زیب النساء نے کہا آپ کا حکم نہیں ہے کہ شعر و شاعری کروں۔

اورنگ زیب نے اجازت دی۔ تو مصرع کے بارے میں پوچھا بادشاہ نے مصرع سنایا۔

کہ آسمان رود و کار آفتاب کند

زیب النساء نے اس پر گرہ لگائی۔ ع

اگر بذرّہ نظر مہر بو تراب کند   کہ آسمان رود و کار آفتاب کند

ترجمہ:۔ اگر بو تراب یعنی حضرت علیؑ ذرّہ کو محبت کی نظر سے دیکھ لیں تو وہ آسمان پر پہنچکر مثل آفتاب چمکنے لگے۔

شعر و شاعری کا تبادلہ باپ اور بیٹوں کے درمیان کبھی کبھی ہوا کرتا تھا۔ نظام الملک آصف جاہ اوّل بانی سلطنت نظام دکن اچھے شاعر تھے۔ ان کا دربار شعراء سے بھرا رہتا تھا۔ ناصر جنگ شہید آصف جاہ کے بیٹے تھے۔ وہ بھی شعر کہتے تھے۔ باپ بیٹے کے درمیان شعری موشگافیاں چلتی رہتی تھیں۔ ناصر جنگ نے ایک شعر باپ کی خدمت میں روانہ کیا ے

مرنجان خاطر جانا مزاجِ نازکی دارم   تو گر از حسن مغروری من از عشق تو مغرورم

ترجمہ:۔ میری جان مجھے دکھ نہ دے، میں انتہائی نازک مزاج ہوں۔ تو اگر اپنے حسن کا غرور رکھتا ہے تو میں بھی اپنے عشق پر مغرور ہوں۔

نواب آصف جاہ نے شعر دیکھنے کے بعد کہا کہ قباحت یہ ہے کہ عاشق کے لیے مغرور ہونا اچھا نہیں اس پر بیٹے نے کہا بجز حضرت کے میرا عاشقی و معشوقی کا کوئی رشتہ موجود نہیں اور یہ میں نے حضرت کے بارے میں کہا ہے، یہ کہا اور روانہ ہوگئے۔

آصف جاہ نے ناصر جنگ کو یہ مصرع روانہ کیا ع

اندکی بگذار تا سیر تجمل می کنم

ترجمہ:۔ تھوڑی دیر ٹھہر تاکہ میں تیرے جمال کا نظارا کروں۔

اس کے جواب میں ناصر جنگ نے یہ مصرع روانہ کیا ع

گر تو استغنا کنی من ہم تغافل می کنم

ترجمہ:۔ اگر آپ نے بے پروائی کا اظہار کیا تو میں بھی چشم پوشی کروں گا۔

اس طرح کی آزاد فضا میں فارسی علم و ادب کی ترقی جاری تھی۔ آداب شاہی خوردگی و بزرگی باپ و بیٹے کا حجاب، درباری رسم و رواج اور آداب بالائے طاق رکھ دیئے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر موضوع پر آپ کو فارسی اشعار ملیں گے۔

نازک خیالی، لطافت و نزاکت، ہجو و لطائف، مبالغہ آرائی، پہیلیاں، ایک ہی لفظ کے مختلف معنی لینا اور شعر کے مطلب کو کہیں سے کہیں پہنچا دینا، فارسی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔

خواجو کرمانی اور عصمت ہم عصر تھے۔ ایک دوسرے سے شاعرانہ رشک و حسد بھی رکھتے تھے۔ بادشاہ کو بھی یہ بات معلوم تھی اور وہ کبھی کبھی دونوں میں نوک جھونک کرا دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ بادشاہ اور عصمت ایک جشن میں شریک تھے خواجو آ گیا۔

بادشاہ نے عصمت کو مخاطب کر کے کہا۔" لو تمہارا دوست آ گیا۔ کیا تم اس سے ملو گے نہیں؟

عصمت نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح کیا ؎

خواجو نگر، خواجو نگر، خواجو ز کرمان آمدہ
کرمان ز گہ بیرون شوند ای گہ ز کرمان آمدہ

ترجمہ:۔ خواجو کو دیکھو! خواجو کو دیکھو خواجو کرمان سے آیا ہے۔ کرمان (کیڑے) کبھی گھوڑے میں چلے جاتے ہیں اور کبھی باہر آجاتے ہیں۔

غرض یہ کہ بادشاہوں نے ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا جس کی وجہ سے ادب لطیف کو پروان چڑھنے کا موقع ملا۔

ظرافت کے لغوی معنی تو خوشمندی اور خوبی کے ہیں۔ ایسا شخص جس کی تقریر میں خوبی و دانائی پائی جائے اسے ظریف اللسان کہتے ہیں۔ ساتھ ہی خوش طبی

اور بشاشت کا پہلو بھی رکھتی ہو جو لوگوں پر گراں نہ گزرے۔ لیکن ایسی گفتگو جو ہنسی اور مذاق سے پر ہو مگر بے معنی ہو، لطافت و ظرافت کہے جانیکی مستحق نہیں۔ اس طرح کے جملے یا اشعار محض استہزاء مخول یا ٹھٹھوں کا نمونہ ہونگے اخلاقی دنیا میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔

مزاح کی تاریخ دراصل طلوع اسلام سے ہی شروع ہوتی ہے۔ اسلام سے پہلے عرب مزاح کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ ذرا سا مذاق یا خوش طبعی تلوار زنی میں بدل جاتی ہے۔ اسلام نے چہروں کی خشکی اور رکھائی کو دور کر کے خوش طبعی میں بدل دیا۔

ظرافت کے لیے ذکاوت اور حاضر جوابی ضروری ہے۔ لیکن فحش نہیں، دائرۂ اخلاق کے اندر رہ کر حاضر جوابی کے جوہر دکھانا ہی دراصل ظرافت ہے۔

کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں قدیم رنگ ظرافت نہیں بھاتا۔ موجودہ عہد کی بیہودہ اور مضحک باتوں کو ظرافت کی معراج اور فن جانتے ہیں۔ قدیم ظرافت میں کچھ فحش باتیں آگئی ہیں۔ لیکن زیادہ باتیں کام کی ہیں تو تہذیب سکھاتی ہیں۔ آدابِ محفل سے روشناس کراتی ہیں۔ بات کرنے کا ایک اچھوتا قرینہ معلوم ہوتا ہے۔ حاضر جوابی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہیں۔ طرزِ معاشرت کے لیے اصلاحی پہلو تلاش کرتی ہیں۔ لیکن موجودہ عہد میں بے ہودہ افسانوں اور فرضی معاشقوں کو افسانوں کی شکل دے دینا ظرافت کا معیار بن گیا ہے۔ اس طرح سے جو ادب پڑھا جا رہا ہے اسے لطافت و ظرافت تو کہا نہیں جا سکتا۔ ظرافت روحانی سکون عطا کرتی ہے۔ اس کو مجروح نہیں کرتی۔